۳۰

اپنی کسی حالت کو انتہائی نہ سمجھو

(فرمودہ ۱۳۔ دسمبر ۱۹۲۹ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنی صفات کا ظہور ان کے مورِد کی استعداد کے مطابق کیا کرتا ہے یعنی جن کے لئے وہ صفات ظاہر ہو رہی ہوں ان کے قویٰ، ان کی قابلیت، ان کی طبیعت اور ان کی فطرت کے مطابق انہیں ظاہر کرتا ہے کیونکہ اُس کا نام رب ہے اور رب اُسے کہتے ہیں جو تدریجی طور پر معاملہ کرتا ہے۔ اگر معاملہ تدریجی نہ ہو اور حکیم کی صفت جو صفت ربوبیت کے ماتحت ہے ظاہر نہ ہو تو دنیا بالکل تباہ و برباد ہو جائے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے کہ جس قدر صفاتِ الٰہیہ ہیں وہ ساری کی ساری ان چار صفات کے ماتحت اور انہیں کے دائرہ کے اندر ہیں جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئی ہیں اور اسی لئے میں نے خدا کی صفتِ حکیمیت کے متعلق یہ بات بیان کی ہے کہ یہ ربوبیت کی صفت کے ماتحت ہے۔

بہت دفعہ وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے فہمِ قرآن کا خاص ملکہ عطا نہیں فرمایا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس بات کو پڑھ کر حیران ہوتے ہیں کہ ساری صفات چار کے ماتحت کیونکر ہو سکتی ہیں لیکن حقیقت یہی ہے۔ ربوبیت تدریج کی طرف اشارہ کرتی ہے اور حکیمیت بھی تدریج پر دلالت کرتی ہے گو یہ ایک پہلو کے متعلق ہے۔ حکمت کیا ہے؟ یہی کہ تقاضائے وقت اور مناسب حالات کے ماتحت بات کی جائے اور تدریج بھی یہی ہے کہ بات مناسبِ موقع ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور وہ اپنے بندوں سے اسی رنگ میں معاملہ کرتا ہے جس کی بندوں کو

برداشت کی طاقت یا سمجھنے کی قابلیت ہو اور اتنا ہی سلوک کرتا ہے جسے سنبھالنے کی قوت ان کے اندر موجود ہو۔ اور مقتضائے وقت کے لئے بھی یہ ساری باتیں ضروری ہیں۔ مثلاً یہ کہ سزا اتنی دی جائے جتنی قابلِ برداشت ہو اور وہ غرض پوری ہو جس کے لئے سزا دی جاتی ہے اور اگر انعام دیا جائے تو اس طرز پر دیا جائے کہ جسے انعام مل رہا ہے اسے سنبھال سکے اور تدریجی طور پر دیا جائے تا کہ اس سے فوائد حاصل کر سکے۔ اور پھر معاملہ کرے تو ایسا کہ جو قابلیت کے مطابق ہو ایسا نہ ہو کہ جس سے کیا جائے اُس میں فائدہ اُٹھانے کی قابلیت ہی نہ ہو۔ یہ باتیں ہر حالت کے لئے ضروری ہیں۔ سزا کو لے لو اگر اس میں تدریج نہ ہو تو وہ غرض و غایت ہی مفقود ہو جاتی ہے جو سزا دینے کی ہوتی ہے اور سزا سزا نہیں رہتی۔ مثلاً اگر دنیا میں ایک ہی سزا ہو جو انتہائی ہو تو دنیا کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

انتہائی سزا فنا ہی ہے اگر یہی ہو اور اس کی درمیانی حالتیں نہ ہوں نزلہ، زکام، بخار، شدید درد یں یا اندرونی بیماریاں نہ ہوں اور انسان یکدم مر جائے تو اس سزا کا کوئی فائدہ نہیں نہ تو ایسی سزا کو لوگ سزا سمجھ کر عبرت حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی سزا کا وہ خوف ہو سکتا ہے جو اَب ہے۔ بہت سی چیزوں کا ڈراوا ہی انسان کی اصلاح کر دیتا ہے لیکن اگر وہ واقعہ میں آ جائیں تو پھر انسان کچھ نہیں کر سکتا مثلاً موت ہے جب یہ آ جائے تو انسان مر جاتا ہے اور موت اپنی ذات میں کوئی خاص تکلیف یا شدت بھی نہیں رکھتی لیکن موت کا ڈر انسان سے بہت کچھ کرا لیتا ہے۔ پس موت سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا اُس کے خوف سے ہو سکتا ہے۔ انسان پر اگر تھوڑا سا عذاب آئے تو وہ سمجھتا ہے معلوم نہیں آگے کیا ہو اِس لئے وہ اپنی اصلاح کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح اسے جب ایک معمولی بیماری لگ جائے تو وہ فوراً اس سے اگلی سے ڈرنے لگ جاتا ہے مثلاً اگر نزلہ ہو تو ڈرتا ہے کہیں بخار نہ ہو جائے اور اگر بخار ہو جائے تو انفلوئنزا کے خوف سے کانپنے لگتا ہے اور اگر انفلوئنزا ہو جائے تو نمونیہ سے خوف کھانے لگ جاتا ہے اور علاج کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس یہ بات انسان کی عادت میں داخل ہے کہ جو تکلیف اسے پہنچے اس سے اگلی کا اس کے دل میں ڈر پیدا ہو جاتا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے وہ پرہیز بھی کرتا ہے اور علاج کی بھی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ موت ہی آ جائے اور صحت اور موت کی درمیانی حالت کوئی نہ ہو تو پھر کوئی انسان پرہیز نہ کرے گا۔ وہ سمجھے گا جو ہونا ہے وہ تو ہو چکا اب میں بچ نہیں سکتا پھر پرہیز کس لئے کروں۔

تو خدا تعالیٰ نے عذاب میں بھی تدریج رکھی ہے تا انسان اگلے عذاب کے خوف سے پرہیز کرنا شروع کر دے۔ اسی طرح اگر جہنم ہی سزا ہوتی اس سے کم درجہ کی کوئی سزا نہ ہوتی تو انسان اپنی اصلاح کبھی نہ کرسکتا۔ غرض عذابوں کی مختلف اقسام کی حکمت یہی ہے۔ یہی حال انعامات کا ہے اگر سارے انعام انتہائی درجہ کے ہی ہوتے اور اکٹھے ہی مل جاتے تدریجی انعام نہ ہوتے تو انسان ان سے فائدہ نہ حاصل کرسکتا۔ اگر بچہ پیدا ہوتے ہی عالم ہوتا تو وہ علم میں تدریجی ترقی اور پیہم کامیابیوں کی مسرتوں سے محروم رہتا۔ یا اگر انسان بوڑھا ہی پیدا ہوتا تو وہ جوانی کی لذتوں اور اُمنگوں سے جو اس کے دل میں موجزن ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ ساری دنیا میرے قبضہ اور تصرف میں ہے ان سے محروم رہ جاتا اور اگر اس کی ہمیشہ جوانی کی ہی حالت رہتی تو بڑھاپے کی عاقلانہ اور حکیمانہ زندگی کی لذتوں سے محروم رہتا۔ پھر کئی نعمتیں ایسی ہیں جن سے بچپن میں اور کئی ایسی ہیں کہ ان سے جوانی میں اور اسی طرح کئی ایسی ہیں کہ ان سے بڑھاپے میں مزا ملتا ہے لیکن اگر ہمیشہ ایک ہی حالت رہتی تو انسان تمام نعمتوں سے محروم رہتا۔ اور اس طرح وہ لذات جو آہستہ آہستہ حاصل ہوتی اور جو کُرید کُرید کر ایک چیز نکالنے میں ملتی ہے اس کا مزا جاتا رہتا۔ گرمی کے دنوں میں بچے عموماً ایسا کرتے ہیں اور جب ہم بچے تھے تو ہم بھی ایسا ہی کرتے تھے گو اِس وقت ہم انہیں دیکھ کر تعجب کرتے ہیں اسی طرح ہمارے بزرگ ہمیں دیکھ کر متعجب ہوتے ہوں گے۔ بچے خربوزوں کے بیج نکالتے ہیں اور پھر ایک ایک کر کے انہیں کھاتے ہیں لیکن اگر سارے بیج نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں تو ان کا سارا مزا جاتا رہے گا۔ اسی طرح چلغوزے اور اخروٹ ہیں ان کا مزا چھلکوں کے اندر سے آہستہ آہستہ نکال کر کھانے سے ہی ہے۔ روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے چبانے میں ہی لطف آتا ہے اگر ایک ہی دفعہ روٹی انسان کے حلق سے اُتار دی جائے تو اس کا کوئی مزا اُسے نہ آئے گا۔ اگر اس طرح کیا جائے کہ دو چار پانچ دس بیس جتنی بھی روٹیاں ایک انسان کی غذا ہو انہیں ایک دم اس کے پیٹ میں ڈال دیا جائے تو اسے اس سے کوئی لطف حاصل نہ ہوگا۔ روٹی کا مزا اُسے چبا چبا کر کھانے سے ہی ہے اکٹھی کھانے سے کوئی مزا نہیں مل سکتا۔ تو آہستہ آہستہ نعمتوں کا ملنا بذاتِ خود ایک نعمت ہے۔ روٹی ایک نعمت ہے لیکن اسے بار بار کھانا اور لُقمہ تر کر کے کھانا بجائے خود ایک نعمت ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کو کروڑوں من غلہ یکدم مل جائے تو بے شک اسے بڑی خوشی ہوگی

لیکن یہ خوشی اُس زمیندار کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھے گی جسے ہر سال کافی مقدار میں غلہ مل جاتا ہے کیونکہ جو مزا پہلے کو ایک بار ملا زمیندار کو بار بار اور ہر سال ملے گا۔ اسی طرح اگر کسی سے پوچھو کہ تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تمہیں تمہارے دوست کے پاس دس پندرہ روز کے لئے متواتر دن رات رہنے دیا جائے یا ہر روز دس پندرہ منٹ کے لئے اس سے ملاقات کرائی جائے تو وہ یہی پسند کرے گا کہ اسے روز کچھ وقت کے لئے یہ مزا ملتا رہے بجائے اس کے کہ ایک ہی دفعہ اکٹھا مل جائے اور پھر ہمیشہ کیلئے بند ہو جائے۔ تو نعمت کا تدریجاً اور بار بار ملنا اپنی ذات میں ایک نعمت ہے۔ طالب علم جب مدرسے میں ایک ایک لفظ پڑھتا اور ایک ایک سبق یاد کرتا ہے تو اس سے جو سرور اسے حاصل ہوتا ہے وہ اکٹھے علم حاصل کر لینے سے نہ ہوسکتا یہی وجہ ہے کہ روحانی نعمتیں بھی اکٹھی نہیں ملتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تمام روحانی علوم ایک دن میں حاصل نہیں ہو گئے تھے بلکہ یہ نعمت آپ کو شروع بعثت سے لیکر وفات تک برابر ملتی رہی۔ تو خدا تعالیٰ کے فیوض اور عرفان کا لطف بھی تدریجاً اور بار بار ملنے میں ہی آتا ہے۔ اگر سارا قرآن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ہی دن نازل ہو جاتا تو باقی زندگی خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کے شرف سے خالی رہتی۔ پس آپؐ کو چیز تو وہی ملی جو اکٹھی بھی مل سکتی تھی لیکن درجہ بدرجہ ملی جس سے ہر روز ایک نیا لطف حاصل ہوتا تھا۔ اسی طرح قابلیت کی حالت ہے کوئی دانا شخص بچہ کی جھولی میں اتنی چیز نہیں ڈالے گا جسے بچہ سنبھال نہ سکے۔ اگر ایک شخص کو کپڑوں کے سَو یا دوسَو جوڑے اکٹھے ہی بنوا دیئے جائیں تو یہ اس کے لئے ایک مصیبت ہو جائے گی کہ انہیں سنبھالتا رہے اور اس سے اسے کبھی وہ مزا نہیں آئے گا جو ہر سال نئے بنانے میں آ سکتا ہے۔ پھر اکٹھی چیز سے انسان بسا اوقات فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اگر کسی کو دس من آٹے کی روٹیاں ایک ہی دن پکا کر دیدی جائیں تو وہ ضائع ہی جائیں گی۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ سارے سال کی بارش ایک ہی دن اُتار دے تو لوگ تباہ ہو جائیں اور اگر وہ کوئی ایسا قانونِ قدرت بنا دے کہ تباہ نہ بھی ہوں تو بھی اس کا کوئی لطف نہ رہے گا کیونکہ بارش کا نزول بھی اپنے اندر ایک لطف رکھتا ہے جس سے تر و تازگی اور نئی روح پیدا ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے جب بوندیں پڑنی شروع ہوں تو بچے خوشی سے اُچھلنے کُودنے اور گیت گانے لگتے ہیں اور خود ہی الفاظ ملا کر شعر بھی بنا لیتے ہیں گویا اچھے خاصے شاعر بن جاتے ہیں۔ غرض بارش کے برسنے کی

حالت بھی اپنے اندر ایک خاص لطف رکھتی ہے۔ تو اکٹھی نعمتوں کا ملنا کوئی فائدہ نہیں رکھتا فائدہ تدریج اور تواتر سے ہی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی نعمت اکٹھی مل جائے تو وہ قابلیت کے مطابق نہیں ہوگی۔ بچہ کو اگر فلسفہ کے علوم پڑھانے کی کوشش کی جائے تو اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا فائدہ اسی سے ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ راسخ اور جذب ہو۔ اگر ایک شخص کے سر پر ایک ہی دن تیل کی ایک بوتل انڈیل دی جائے یا اسے دو سیر گھی یکدم کھلا دیا جائے تو اسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا لیکن ہر روز اس کی طبیعت کے مطابق اسے تھوڑا تھوڑا کھلانے سے مفید ثابت ہوگا۔ میری غرض اس تمہید سے یہ ہے کہ انسان ہر وقت یہ سمجھے کہ اس کی موجودہ حالت انتہائی نہیں بلکہ ایک کڑی ہے لمبی زنجیر کی۔ اگر یہ حالت عذاب کی ہے تو بھی ایک کڑی ہے جس کے بعد دوسری کڑی آئے گی پھر تیسری اور چوتھی حتیٰ کہ اس کے لئے پیچھے ہٹنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر گناہ کی حالت ہے تو بھی ایک کڑی ہے۔ اگر علم' عرفان یا زندگی ہے تو یہ بھی ایک لمبے سلسلے کی کڑی ہے۔ پس انسان کو کبھی بھی موجودہ حالت کے متعلق مطمئن نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ حالت انعام کی ہو یا سزا کی ہر حالت میں ایک تسلسل ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جب کئی قسم کے عذاب آئے تو بعض نادان کہتے یہ معمولی بات ہے دنیا میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے مگر وہ یہ نہ سوچتے تھے کہ یہ ایک لمبے سلسلہ کی کڑیاں ہیں جس کے بعد اور آئیں گے اور پھر آئیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا جب معمولی عذابوں سے لوگوں نے اصلاح نہ کی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے دعویٰ کے وقت مسلمانوں کی جو حالت تھی اب اس سے بہت زیادہ گر چکی ہے۔ کئی حکومتیں اُس وقت آزاد تھیں مگر اب وہ ماتحت ہیں اُس وقت ان کے قدم مضبوط تھے مگر اب کمزور ہیں انہوں نے یہ نہ خیال کیا کہ ہر چیز تدریجاً آتی ہے اور یہ نہ سوچا کہ ابھی عذاب کے کتنے درجے باقی ہیں اور یہ بھی کیا معلوم ہے کہ موجودہ حالت انتہائی ہے اور اس کے بعد اور درجہ نہیں۔ جس طرح خدا تعالیٰ خود غیر محدود ہے اسی طرح اس کی ہر شئے غیر محدود ہے۔ بہت سے نادان کہہ دیا کرتے ہیں ہم نے جتنے دُکھ دیکھے ہیں ان سے زیادہ دکھ دنیا میں اور کیا ہوں گے۔ وہ سمجھتے ہیں دکھوں کے متعلق جتنا علم انکا ہے اتنا ہی خدا تعالیٰ کا بھی ہے۔

انسان کی یہ بھی ایک غلطی ہے کہ وہ اپنے دکھ کو بڑا اور دوسرے کے دکھ کو چھوٹا سمجھتا ہے حالانکہ وہ جس دکھ میں مبتلاء ہوتا ہے اس کا عادی ہو جانے کی وجہ سے اس کی شدت کم محسوس کرتا

ہے اگر دوسرے کا دکھ جو اسے کم معلوم ہوتا ہے اسے دیدیا جائے تو اسے بہت زیادہ تکلیف محسوس ہو۔ ہمارے ملک کے ایک ادیب نے ایک قصہ میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ حشر کا میدان ہے سب لوگ اکٹھے ہیں اور انہیں اجازت دی گئی ہے کہ اپنے دکھوں میں سے جو چاہو پھینک دو اور اس کے بدلہ میں جو چاہو لے لو۔ کسی کی ٹانگ میں درد تھا تو اس نے سمجھا سر درد والا چل پھر تو سکتا ہے میری طرح بستر پر تو نہیں پڑا رہتا مجھے ٹانگ کی تکلیف کی بجائے سر درد لے لینا چاہئے۔ جس کے سر میں درد تھا اس نے سوچا ٹانگ درد والا آرام سے لیٹ تو سکتا ہے اس کے دماغ کو تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اس لئے مجھے سر درد پھینک کر ٹانگ درد لے لینا چاہئے۔ غرضیکہ ہر ایک نے اپنے دکھ کو اس سے جسے وہ کم سمجھتا تھا بدل لیا۔ مگر پہلے عذابوں کے چونکہ وہ عادی ہو چکے تھے اس لئے بہت کم محسوس کرتے ہیں لیکن نیا عذاب بدلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو تکلیف زیادہ محسوس ہونے لگی اور چیخ و پکار سے ایک کُہرام مچ گیا۔ ڈاکٹروں کا بھی یہی خیال ہے کہ CHRONIC بیماریوں کی تکلیف کم ہوتی ہے اور ACUTE کی بہت زیادہ کیونکہ CHRONIC کے مقابلہ کا جسم عادی ہو چکا ہوتا ہے۔

اگر انسان یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں جس میں مَیں گرفتار ہوں تو بھی اسے اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ کم از کم خدا اس کے دکھ کو دوسرے دکھ سے تبدیل تو کر سکتا ہے اور اس تبدیلی سے بھی تکلیف بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے حالانکہ یہ خیال غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس نئے عذاب نہیں۔ ہمیشہ دنیا میں نئے نئے عذاب آتے رہے اور نئی نئی بیماریاں بھی نکلتی رہتی ہیں۔ یہی حال انعامات کا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسے جو انعام ملا وہ انتہائی ہے اور اب اس کی حالت میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ ممکن ہے وہ اس سے نیچے ہی گر جائے اس لئے انسان کو کبھی موجودہ حالت پر مطمئن نہیں ہونا چاہئے۔ انعام ہو یا سزا اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ انتہائی ہے نادانی ہے کیونکہ اسے کم یا زیادہ کر دینا بھی خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اگر وہ انتہائی بھی ہو تب بھی وہ کم تو ضرور ہو سکتا ہے۔ غرض ہر چیز خدا تعالیٰ سے تدریجاً آتی ہے تا اسے دوسروں کے لئے عبرت کا موجب بنائے۔ لیکن انسان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ دوسرے کے لئے عبرت کا موجب ہونے کی بجائے وہ ان کے لئے تعلیم کا موجب بنے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بندہ کو کسی نہ کسی پہلو سے دوسرے کا استاد بنایا ہے۔ کوئی اپنے عمل سے

اس فرض کو ادا کر دیتا ہے اور کوئی دکھ اور مصائب کی وجہ سے اس قابل ہو جاتا ہے کہ دوسرے اس سے عبرت پکڑیں اور سبق حاصل کریں۔ گویا کوئی زبان سے وعظ سنا کر دوسروں کا استاد بن جاتا ہے اور کوئی اپنی خوفناک حالت سے دوسروں کی عبرت کا باعث بنتا ہے۔ اور یہ بات خدا تعالیٰ نے بندہ کے اختیار میں رکھی ہے کہ چاہے اپنی زبان سے استادی کا فرض ادا کرے اور چاہے تو عذاب میں پڑ کر اپنی حالت سے۔ ہوشیار آدمی کا یہ کام ہے کہ زبان سے استاد بننے کی کوشش کرے کیونکہ بہرحال اسے استاد اور شاگرد دونوں ہی بننا تو پڑے گا۔ اگر خود نہیں بنے گا تو اللہ تعالیٰ جبر سے بنائے گا اور اس کی یہ حالت ہو جائے گی کہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔ پس مومن کو چاہیئے کہ ایسا معلّم بننے کی کوشش کرے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہو اور اس کے اپنے لئے بھی سُکھ کا موجب ہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم لوگوں کو توفیق دے کہ اس کے انعامات کے مورد ہو کر دنیا کے معلّم بنیں نہ کہ سزا کے مورد ہو کر عبرت کا باعث۔ آمین

(الفضل ۲۰۔ دسمبر ۱۹۲۹ء)